

# رسالہ مسائل تعلیمات قرآن کے متعلق

## رسالت اور اس کے احکام

صحبت گذشتہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ نبوت کی حقیقت نہیں ہے کہ ایک انسان جو تمام مہیات سے دوسرے انسانوں جیسا انسان ہو ایک خاص عمر کو پہنچنے کے بعد خدا کی طرف سے نزول وحی کئے لئے چُن لیا جائے۔ اور بجز اس کتاب کے جو اس پر نازل کئی گئی ہو اور کسی بات میں بھی اس کی رائے، اس کے خیالات، اس کے اعمال اس کے احکام اور اس کے فیصلے غیر نبی انسانوں سے متاثر نہ ہوں، جیسا کہ نام نہاد اہل قرآن کا گمان ہے، یا یہ کہ اس میں اور عام انسانوں میں صرف اتنا ہی فرق ہو کہ نازل کتاب کے ساتھ ساتھ اس کو احکام کتاب کی عملی تفصیلات بھی بتادی گئی ہوں اور اس خاص امتیازی حیثیت سے قطع نظر کہ وہ عام امیروں جیسا امیر اور عام قاضیوں جیسا قاضی اور عام لیڈروں جیسا ایک لیڈر ہو، جیسا کہ مولانا اسلم جیراج پوری کا خیال ہے۔ اسی طرح نبوت کی حقیقت بھی نہیں کہ نبی کی تواریخ بشریہ پر نبوت عارض ہوتی ہو اور اس کے عروض کے بعد بھی نبی کی شہرت اور اس کی نبوت دونوں علیحدہ علیحدہ ہوں، جیسا کہ ہم اس کی زندگی کو دو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے صرف اس شعبہ کو اطاعت و اتباع کے لئے منتخب کر سکیں جو نبوت سے تعلق رکھتا ہے، جیسا کہ ہمارے دوست چوہدری غلام احمد صاحب دین کا خیال ہے۔ یہ تینوں خیالات بے اصل ہیں اور اس کے برعکس قرآن مجید سے نبوت کی حقیقت پر جو روشنی پڑتی ہے، اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ نبی اگرچہ بشر ہے، اور ان تمام حدود سے محدود ہے جو حق تعالیٰ

نے فطرت بشریہ کے لیے مقرر فرمائی ہیں، لیکن ان حدود کے اندر اس کی بشریتِ آخری اور انتہائی درجہ کی کامل و اکمل بشریت ہے جس میں وہ تمام قوتیں بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہیں، جو زیادہ سے زیادہ ایک انسان کو حاصل ہونی ممکن ہیں۔ اس کے جسمانی، نفسانی اور عقلی و روحانی قوی عدل و تسویہ کے انتہائی مقام پر پہنچتے ہیں۔ اس کے ادراکات اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ بلا کسی غور و فکر کے محض اپنے وجدان سے اس الہام الہی کو پاتا ہے جس کی طرف ذالکلمہ ہا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی فطرت اتنی صحیح ہوتی ہے کہ وہ کسی خارجی تعلیم و تربیت کے بغیر صرف اپنے میلِ طبعی سے فجور کی راہ چھوڑ کر تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اس کا قلب اتنا سلیم ہوتا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں جو اس کے سامنے آئے اس الہی ہدایت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیتا، جس کی طرف وَهْدَيْنَهُ التَّجْدِيْنِ میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس کے قلب کی سلامت اور فطرت کی صحت اس کو خود بخود ان راستوں سے ہٹا دیتی ہے جو رضائے الہی کے خلاف ہیں، اور وہ آپ سے آپ ان راستوں پر چلتا ہے جو مرضات الہی کے عین مطابق ہیں۔ یہی کامل و اکمل بشریت ہے جس کے ساتھ وہ صحیح معنوں میں بالفعل خدا کا خلیفہ ہوتا ہے، اور یہی چیز ہے جو اپنی پختگی اور اپنے کمال کو پہنچ کر ہدایتِ عام کے منصب پر سرفراز ہوتی ہے، حق تعالیٰ کی جانب سے علم کی مزید روشنی پا کر سراجِ نیر بنتی ہے، مصلحِ عالمۃ بشریہ کے لیے تعلیمات اور احکام کا ہیبط قرار پاتی ہے، اور اصطلاح میں نبوت و رسالت سے موسوم ہوتی ہے۔ لہذا یہ صحیح نہیں ہے کہ نبوت ایک عرض ہے جو ایک خاص وقت میں نبی کے جوہر انسانیت پر عارض ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہی انسانیت کاملہ کا جوہر ہے جو نبوت کی استعداد کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے، اور فعلیت کی طرف ترقی کرتے کرتے آخر کار نبوت بنا دیا جاتا ہے پس نبوت کا منصب ایسا نہیں کہ ایک انسان تھا جو واسطے بنا دیا گیا حتیٰ کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو وہ بھی اس کی طرح واسطے بنا دیا جاتا تھا۔ بلکہ دراصل نبوت ایک پیدا شدہ چیز ہے، اور نبی کی حیثیت ذاتی ہی اس کی حیثیتِ نبوی ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا ہے کہ بعثت سے قبل اس کی حیثیتِ نبوی بالقوہ ہوتی ہے، اور بعثت کے بعد بالفعل ہو جاتی

ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے میٹھا پل ہے لیکن اس کی میٹھاس تختگی کی ایک خاص حد پر پہنچ کر ظاہر ہوتی ہے۔

اب ان آیات کا مفہوم اچھی طرح سمجھیں آسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور ذات نبوی کے حق میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمائی ہیں۔ میں توضیح مدعا کے لیے ان آیات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ مرتب کر کے نقل کرتا ہوں۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَآمِنُوا يَا اللَّهُ وَرُسُلِهِ (۱۸:۳)

اللہ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر اطلاع بخشنے بلکہ وہ اس کام کے لیے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (۶:۴)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔

۳، مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۲۴:۳۱)

۴، وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (۱۰:۵۳)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

تارے کی قسم جب وہ ٹوٹتا ہے تمہارا صاحب (یعنی نبی) نہ گم کردہ راہ ہے اور نہ کج راہ ہے اور نہ وہ ہواؤں سے بولتا ہے۔ وہ صرف وحی ہے جو اس پر کی جاتی ہے۔

۵، إِنْ أَتَيْتُمْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيْكُمْ (۵:۶)

۶، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیے رسول خدا میں ایک اچھا نمونہ ہے۔

۷، قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (۳:۳)

اے محمد! کہہ دو کہ اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

۸، إِتَّعَاكَ أَنْ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا

مؤمنین کا کام تو یہ ہے کہ جب من کو اللہ اور اس کے رسول

إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ يُخْلَمُ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا  
 سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ...  
 ... فَإِنْ تَطِيعْتُمُوهُ يُفْلِحُوا  
 ... (۲۳:۱۰۰)

کی طرف لایا جائے تاکہ رسول، ان کے درمیان فیصلہ کیے  
 تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ان کی اطاعت ہی لوگ فلاح پانے  
 والے ہیں۔ اور اگر وہ اس کی (یعنی رسول کی) اطاعت  
 کر دے تو ہدایت پانے لگے۔

۱۰، قُلْ أُوذِيكُمْ بِحُكْمِي  
 فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي الْفَيْحِمِ  
 حَرْجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْتَلِيمُوا إِلَيْهَا  
 مِنْ كَرَمِي تَعْلَمِي يَوْمَئِذٍ أَلَمْ تُرَبِّهِمْ

پس تم میرے پروردگار کی نہیں، وہ ہرگز مومن نہیں  
 ہیں جب تک کہ وہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تجھ کو فیصلہ  
 کرنے والا بنائیں پھر تو جو تجھ کو فیصلہ کرے اس سے اپنے دلوں  
 میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں، اگر سربر تسلیم کریں۔

۱۱، وَأَوْ كَانُوا مِنْ دَالِيهِمْ أَوْ قَضِي  
 آدَاءُ وَرَسُولُهُمْ أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ  
 مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَقْضِ اللَّهُ شَأْنَهُ فَهُوَ  
 صَاحِبُهَا لَا مُبَدِّلَ لَهُ (۳۳:۵۰)

کسی مومن یا مومنہ کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول  
 کسی امر کا فیصلہ کر دے تو ان کے لیے اپنے امر میں خود کوئی  
 کرنے کا اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول  
 کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

ان آیات پر غور کیجئے تو تمام حقیقت آپ پر کھل جائے گی۔

۱- پہلی آیت میں نبی اور عام انسانوں کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ نبی پر  
 ایمان لانا کیوں ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ اپنے غیب کا علم ہر انسان پر فرداً فرداً ظاہر نہیں کرتا  
 بلکہ اپنے بندوں میں سے کسی خاص بندے پر ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے عام انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اس بندے  
 پر ایمان لائیں۔

۲- دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ رسول پر ایمان لانے کا مدعا صرف یہی نہیں کہ اس کو رسول خدا  
 مان لیا جائے بلکہ اس کے ساتھ رسول کی اطاعت ہی ضروری ہے۔ یہ اطاعت کا حکم نہ صرف اس آیت

میں بلکہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی دیا گیا ہے، مطلق ہے، مقید نہیں ہے۔ کسی ایک جگہ بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ رسول کی اطاعت فلاں فلاں امور میں ہے اور ان امور کے سوا کسی دوسرے امر میں نہیں ہے۔ پس قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے اس کا رسول ایک حاکم عام ہے جو حکم بھی دے، مومنوں پر اس کا ماننا لازم ہے۔ یہ خود رسول کے اپنے اختیار میں ہے کہ الہی ہدایت کے ماتحت اپنی حکومت کے اقتدار کو مخصوص حدود کے اندر محدود کر دے اور ان حدود سے باہر لوگوں کو رائے اور عمل کی آزادی بخش دے لیکن مومنوں کو مرگزی حق نہیں کہ وہ خود رسول کے اختیارات کی حد بندی کریں۔ وہ مطلقاً محکوم و مامور ہیں۔ اگر رسول ان کو رعیت اور نجاری اور صدای وغیرہ کے طریقوں سے بھی کسی خاص طریقے کو اختیار کرنے کا حکم دیتا تو ان کا فرض یہی تھا کہ بے چون و چرا اس حکم کی اطاعت کرتے۔

۳۔ جب اطاعت کا غیر مشروط اور غیر محدود حکم دیدیا گیا تو یہ بھی اطمینان دلانا ضروری تھا کہ نبی کی اطاعت اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت نہیں ہے (جیسا کہ جاہل کفار کا خیال تھا، جو کہتے تھے کہ **هَذَا الْاَبَشَرُ مِثْلُكُمْ** (۱۱:۲۱) کیا یہ نبی نہیں جیسا ایک بشر نہیں ہے؟ اور **مَا هَذَا الْاَبَشَرُ مِثْلُكُمْ يَزِيدُ** **اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ** (۲:۲۳)۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر تمہارے ہی جیسا ایک بشر اور اس پر چاہتا یہ ہے کہ تم پر فضیلت حاصل کرے۔ اور **وَلَيْسَ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلُكُمْ اِنَّكُمْ اِذَا تَخَيَّرْتُمْ** (۳:۲۳) اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو تم ضرور ٹوٹے میں رہو گے۔ اور اصل یہ خدا کی اطاعت ہے۔ کیونکہ نبی جو کچھ کہتا ہے خدا کی طرف سے کہتا ہے اور جو کچھ عمل کرتا ہے خدا کی ہدایت کے ماتحت کرتا ہے۔ وہ خود اپنے نفس کی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا بلکہ خدا کی وحی کا اتباع کرتا ہے اس لئے تم کو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ اس کی پیروی میں کسی قسم کی گمراہی اور غلط روی کا خطرہ نہیں ہے یہی بات تیسری چوتھی اور پانچویں آیت میں بیان کی گئی ہے۔

ان آیات میں جہاں پیغمبر کو وحی کہا گیا ہے اس لئے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد کتاب اللہ ہے اور کتاب کے سوا کوئی

وحی نبی پر نازل نہیں ہوتی۔ لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر صرف کتاب ہی نازل نہیں کی جاتی، بلکہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ وحی نازل کرتا رہتا ہے اور اسی وحی کی روشنی میں وہ سید ہی راہ چلتے ہیں، معاملات میں صائب رائے قائم کرتے ہیں، اور صحیح تدبیر عمل میں لاتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کو دیکھیے۔ طوفان کی پیش بندی کے لیے اللہ کی نگرانی میں اور اس کی وحی کے ماتحت کشتی بناتے ہیں۔ (وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَبِحِينَا) (۳۱:۱۱) حضرت ابراہیم کو ملکوت سموات وارض کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے، اور مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دکھائی جاتی ہے۔ حضرت یوسف کو خوابوں کی تعبیر بتائی جاتی ہے (ذٰلِكَ مَا مَنَّا عَلَيْكَ رَيْحًا) (۱۲:۵)۔ حضرت موسیٰ سے طور پر باتیں کی جاتی ہیں، پوچھا جاتا ہے کہ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ میری لاشی ہے اس سے بکریاں چرتا ہوں۔ حکم ہوتا ہے اس کو پھینک دو رجب لاشی اثر دہا بن جاتی ہے اور حضرت موسیٰ ڈر کر بھاگتے ہیں تو فرمایا جاتا ہے۔ يَا مُوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ (۲۸:۲)۔ پھر حکم دیا جاتا ہے کہ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ۔ وہ اپنی مدد کے لیے ہارون علیہ السلام کو بلانگتے ہیں اور یہ درخواست قبول کی جاتی ہے۔ دونوں بھائی فرعون کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمِعُ وَأَأْتِي (۲۰:۲)۔ فرعون کے دربار میں سانپوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ ڈرتے ہیں تو وحی آتی ہے لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ (۲۰:۲) جب فرعون پر اتنا مہممت ہو چکتا ہے تو ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ اَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ (۲۶:۲)۔ دریا پر پہنچتے ہیں تو فرمان آتا ہے اِنزِلْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ (۲۶:۲) کیا ان میں سے کوئی وحی بھی ایسی ہے جو کتاب کی صورت میں ہدایت عام کے لیے نازل ہوئی ہو؟ یہ مثالیں اس امر کے ثبوت میں کافی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ ہمیشہ متوجہ رہتا ہے اور ہر ایسے موقع پر جہاں بشری فکر و رائے کے غلطی کرنے کا امکان ہو، اپنی وحی سے ان کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ اور یہ وحی اس وحی سے ماسویٰ ہوتی ہے جو ہدایت عام کے لیے ان کے واسطے بھی بھیجی جاتی

اور کتاب میں صریح کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو کہنے کی ایک الہی ہدایت تیار اور دستور العمل کا کام دے۔  
 ایسی ہی وحی غیر متلو اور وحی خفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نازل ہوتی تھی جس کی طرف قرآن مجید  
 میں متعدد مقامات پر اشارہ کئے گئے ہیں جنہوں نے پہلے بیت المقدس کو قبلہ بنایا تھا۔ اس کے متعلق کوئی  
 حکم کتاب اشتریں نہیں آیا مگر جب اس قبلہ کو مسوخ کر کے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم دیا گیا اس  
 وقت ارشاد ہوا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا  
 لِنُعَلِّمَهُمُ مِّنْ شَيْءٍ الرِّسْوَلِ يَمُنُّ مِنْ قِبَلِ  
 عَمَّا عَقَّبَيْهِ (۲: ۱۴۰)

جس قبلہ پر تم تھے اس کو ہم نے صرف اس لیے منور کیا  
 تھا کہ رسول کا اتباع کرنے والے اور اتباع سے منور کرنے  
 والے کے درمیان امتیاز ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کو وحی الہی سے قبلہ بنایا گیا تھا۔ جنگ احد کے موقع پر حضور  
 نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لیے فرشتے بھیجے گا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضور کے اس ارشاد  
 کا ذکر قرآن میں اس طرح فرمایا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لِّمَن كَانَ  
 ظَاهِرًا بِهٖ وَوَعْدَ اللَّهِ لَئِن لَّمْ يَکْفُرْ  
 يَدْرَأْنِيهِمْ لِيُكَلِّمَهُمُ الْقُرْآنَ  
 لَئِن لَّمْ يَکْفُرْ يَدْرَأْنِيهِمْ لِيُكَلِّمَهُمُ الْقُرْآنَ  
 لَئِن لَّمْ يَکْفُرْ يَدْرَأْنِيهِمْ لِيُكَلِّمَهُمُ الْقُرْآنَ

اللہ نے اس وعدے کو تمہارے لیے خوش خبری بنایا۔  
 ظاہر ہوا کہ یہ وعدہ اللہ کی طرف سے تھا۔ جنگ احد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ  
 بدر ثانیہ کے لیے لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ یہ حکم قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ مگر اللہ نے بعد میں تصدیق کی کہ یہ بھی  
 اسی کی جانب سے تھا۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ  
 اٰمَنَّا بِهٖمُ الْقُرْآنَ (۱۸: ۲)

جن لوگوں نے لڑائی میں زخم کھانے کے بعد پورا اللہ اور  
 رسول کی پکار پر لبیک کہا۔

جنگ بدر کے موقع پر حضور کے مدینے سے نکلنے کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا گیا ہے۔  
 کَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ (۱۱: ۸)

جس طرح تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے نکالا۔

گھر سے نکلنے کا حکم قرآن میں نہیں آیا۔ مگر بعد میں اللہ نے تصدیق فرمائی کہ یہ خروج اس کے حکم سے تھا نہ کہ اپنی رائے سے۔ اس سے پہلے حضور کو خواب میں جنگ کا نقشہ دکھا دیا گیا تھا جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي آرَيْنَاكَ إِلَّا  
فِتْنَةً لِلنَّاسِ (۶:۱۴)۔  
ہم نے محض ایک فتنہ بنا دیا۔

پھر عین جنگ کے موقع پر اللہ نے اپنے نبی کو خواب دکھایا:-

إِذْ بَرَكْنَا اللّٰهَ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا (۵۱:۸) جب کہ اللہ ان کو قلیل بنا کر تیرے خواب میں تجھے دکھایا تھا  
منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم صدقات پر ناک بھوں چڑھائی تو اللہ نے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا کہ یہ تقسیم خود حضرت حق کے ارشاد سے عمل میں آئی تھی:-

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ  
رِسْوَالَهُ (۶:۹)۔  
رسول نے ان کو دیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر تمام صحابہ صلح کے مخالفت تھے اور صلح کی شرائط ہر شخص کو ناقابل قبول نظر آتی تھیں مگر اللہ کے نبی نے ان کو قبول کیا اور اللہ نے بعد میں تصدیق کی کہ صلح اسی کی جانب تھی  
إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (۱۰:۲۸)۔  
ہم نے تجھ کو فتح میں عطا کی۔

آیات کے ترمیم سے اس قسم کی اور بہت سی مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔ مگر یہاں استقصاء مقصود نہیں ہے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا بیانیہ ساتھ کوئی عارضی اور وقتی تعلق نہیں ہے کہ جب کبھی اس کو اپنے بندوں کو کوئی پیغام پہنچانا ہو پس اسی وقت تعلق بھی قائم ہو اور اس کے منقطع ہو جائے بلکہ دراصل تو تعالیٰ جس شخص کو اپنی پیغمبری کی منتخب فرماتے ہیں اس کی طرف وہ ہمیشہ ایک توجہ خاص کیساتھ توجہ رہتے ہیں اور دائماً اپنی وحی سے اس کی ہدایت پہنچاتی فرماتے رہتے ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی میں ٹھیک ٹھیک راستہ پر گامزن رہے اور اس سے کوئی ایسا قول یا فعل صادر



نہ ہونے پائے جو مرضات الہی کے خلاف سورہ نجم کی ابتدائی آیات میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ دراصل ہی  
 حقیقت کا اظہار ہے، اور جیسا کہ میں اس مضمون کے پہلے حصہ میں عرض کر چکا ہوں، یہ بات بھی قرآن نے کھول کر  
 بیان کر دی ہے کہ انبیاء پر ہمیشہ اللہ کی نگرانی رہتی ہے، ان کو غلط روی سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اور اگر کوئی نقصان  
 بشریت ان سے کبھی کوئی نغزش ہوتی ہے، یا وہ وحی خفی کے لطیف اشارے کو سمجھنے میں کبھی غلطی کرتے ہیں،  
 یا اپنے اجتہاد سے کوئی ایسی روش اختیار کرتے ہیں جو مرضات الہی سے یکسر موٹھی ہو، تو اللہ تعالیٰ فوراً  
 ان کی اصلاح کرتا ہے، اور توبہ کر کے سیدھے رستے پر آتا ہے۔ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے  
 انبیاء کرام کی نغزشوں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی تنبیہوں کا جو ذکر آیا ہے، اس کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ لوگوں  
 کے دلوں سے انبیاء علیہم السلام کا اعتماد اٹھ جائے اور لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ جب انبیاء بھی انہیں کی طرح نفوذ  
 باللہ غلط کا ہیں تو ان کے احکام کی اطاعت اور ان کی روش کی پیروی کامل اطمینان کے ساتھ کیسے  
 کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس ذکر سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ہوائے نفس کا اتباع کرنے یا اپنی  
 رائے اور بشری اجتہاد پر چلنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑ دیا ہے۔ وہ چونکہ اس کی طرف سے اس کے بندوں  
 کی رہنمائی کے لیے امور کیے گئے ہیں اس لیے اس نے ان پر یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ دائماً اس کی ہدایت  
 پر کار بند رہیں، اور اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی اس کی رضا کے خلاف عمل نہ کریں۔  
 یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بعض ایسی باتوں پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے جو عام انسانی زندگی  
 میں قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، مثلاً کسی انسان کا شہد کھانا یا نہ کھانا، اور کسی اندھے کی طرف توجہ نہ کرنا  
 اور اس کے دخل در معقولات پر صبر نہ کریں، یا کسی کے لیے دعائے مغفرت کرنا، کونسا ایسا اہم واقعہ تھا۔  
 مگر اللہ نے اپنے نبی کو ایسے چھوٹے معاملات میں بھی اپنی رائے یا دوسروں کی مرضی پر چلنے نہ دیا۔ اسی طرح  
 کی شرکت سے کسی کو معاف کر دینا، اور بعض قیدیوں کو فدیہ سے کر چھوڑ دینا، ایک امیر کی زندگی میں محض ایک  
 معمولی واقعہ ہے۔ مگر نبی کی زندگی میں یہی واقعہ اتنا اہم بن جاتا ہے کہ اس پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ کیوں؟

اس لیے کہ اللہ کے نبی کی حیثیت عام امرا کی ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں آزاد ہو بلکہ منصب نبوت پر مامور ہونے کی وجہ سے نبی کے لیے لازم ہے کہ اس کا اجتہاد بھی ٹھیک ٹھیک وحی الہی کے مطابق ہو مگر وہ اپنے اجتہاد میں وحی نخبی کے اشارے کو نہ سمجھ کر مرضی الہی کے خلاف بال برابر بھی جس کو تو اللہ تعالیٰ وحی جلی سے اس کی اصلاح کو نا ضروری سمجھتا ہے۔

۴۔ اللہ نے اپنے نبی کی اس خصوصیت کو ہمارے سامنے اسی لیے بیان فرمایا ہے کہ ہم کو اس کے نبی کی راست روی پر کامل اعتماد ہو، اور ہم پورے وثوق کے ساتھ یقین رکھیں کہ نبی کا قول اور عمل گمراہی اور گمراہی اور اتباع ہو اور بشری فکر و رائے کی غلطیوں سے قطعاً محفوظ ہے اور زندگی میں اس کا قدم مضبوطی کے ساتھ اس صراطِ مستقیم پر جما ہوا ہے جو ٹھیک ٹھیک خدا کی بتائی ہوئی ہے۔ اور اس کی سیرت پاک اسلامی سیرت کا ایک ایسا معیار بنو نہ ہے جس میں کسی نقص کا شائبہ تک نہیں ہے، اور اللہ نے خاص طور پر اس کا دل نمونہ کو اسی لیے بنایا ہے کہ اس کے بندوں میں سے جو کوئی اس کا قبول و محبوب بندہ بننا چاہے وہ آنحضرت کے اسی نمونہ کی پیروی کرے۔ اس مقصد کو چھٹی اور ساتویں آیتیں کھول دیا گیا ہے چھٹی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ میں ایک اسوہ حسنہ ہے، اور ساتویں آیت میں رسول اللہ کے اتباع کو محبوب الہی بننے کا واحد ذریعہ بتایا گیا ہے یہاں پھر ہم کو کسی قسم کی تخصیص و تاکید نظر نہیں آتی صریح نصیم و اطلاق رسول اللہ کی ذات کو مطلقاً اسوہ حسنہ بتایا گیا ہے، اور مطلقاً آپ کے اتباع کی ہدایت کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر زیادہ آپ کا اتباع کرو گے اور اپنی زندگی میں سیرت پاک کا رنگ جتنا زیادہ پیدا کرو گے اتنا ہی تقرب تم کو بارگاہ الہی میں حاصل ہو گا، اور حق تعالیٰ اتنا ہی تم کو پیار کرے گا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو نمونہ قرار دینے اور آپ کے اتباع کا عام حکم دینے سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے جو کچھ کیا اور جس طرح کیا، لوگ بھی بعینہ وہی فعل اسی طرح کریں، اور اپنی زندگی میں آپ کی حیات طیبہ کی ایسی نقل اتاریں کہ اصل اور نقل میں کوئی فرق نہ رہے۔ یہ مقصد قرآن کا ہے،

نہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ اس کا ایک عام اور اجماعی حکم ہے جس پر عمل کرنے کی صحیح صورت ہم کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ سے معلوم ہو جاتی ہے۔ یہاں اس کی تفہیم کا موقع نہیں۔ محض عرض کرتا ہوں کہ جو امور براہ راست دین اور شریعت سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں توجہ و تامل کی اطاعت اور آپ کے عمل کی پیروی، سابق النفل یا نفل کرنی ضروری ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ مسائل کہ ان میں جو کچھ آپ نے حکم دیا ہے اور جس طرح خود عمل کر کے بتایا ہے اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنی لازم ہے۔ رہے وہ امور جو براہ راست دین سے تعلق نہیں رکھتے، مثلاً تمدنی، معاشی اور سیاسی معاملات اور معاشرت کے جزئیات، تو ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا حضور نے حکم دیا ہے یا جن سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، بعض ایسی ہیں جن میں حضور نے حکمت اور نصیحت کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں، اور بعض ایسی ہیں جن میں حضور کے طرز عمل سے ہم کو مکالم، اخلاق اور تقویٰ دیا جائے گی کہ سب باتیں اور ہم آپ کے طریقہ کو دیکھ کر یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ عمل کے مختلف طریقوں میں سے کونسا طریقہ روحِ سلامتی سے مطابقت رکھتا ہے، پس اگر کوئی شخص نیک نیتی کے ساتھ حضور کا اتباع کرنا چاہے، اور اسی عرض سے آپ کی سنت کا موازنہ کرے، تو اس کے لیے یہ معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ کن امور میں آپ کا اتباع ہی نفل النفل ہونا چاہیے اور کن امور میں آپ کے ارشادات اور اعمال سے اصول اخذ کر کے قوانین وضع کرنے چاہئیں، اور کن امور میں آپ کی سنت سے اخلاق و حکمت اور خیر و صلاح کے عام اصول مستنبط کرنے چاہئیں مگر جن لوگوں کی طبیعت نزاع پسند واقع ہوئی ہے وہ اس میں طرح طرح کی جھٹلتیں نکالتے ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ عربی بولتے تھے تو کیا ہم بھی عربی بولیں؟ آپ نے عرب عورتوں سے شادیاں کیں تو کیا ہم بھی عربوں ہی میں شادیاں کریں؟ آپ ایک خاص موضع کا رہنے والے تھے تو کیا ہم بھی وہاں رہیں؟ آپ کھانا کھاتے تھے تو کیا ہم بھی کھانا کھائیں؟ آپ کی معاشرت کا ایک خاص طریقہ تھا تو کیا ہم بھی ایسی ہی معاشرت اختیار کریں؟ کاش لوگ غور کرتے کہ اہل حیرہ زبان نہیں جو اپنے لئے تھے بلکہ وہ اخلاقی حدود ہیں جن کی پابندی کو حضور نے فرمایا ہے۔

میں ملحوظ رکھا۔ اصل چیز یہ نہیں کہ شادی عرب عورت سے کی جائے یا غیر عرب سے، بلکہ یہ ہے کہ جس عورت سے بھی کی جائے اس کے ساتھ ہمارا معاملہ کیسا ہو؟ اس کے حقوق ہم کس طرح ادا کریں؟ ادا لینے جائز شرعی اختیارات کو اس پر کس طرح استعمال کریں؟ اور معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو برتاؤ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ تھا اس سے بہتر نونہ ایک مسلمان کی خانگی زندگی کے لینے کو کونسا ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کس نے کہا کہ آپ جس وضع کا لباس پہنتے تھے وہی مشروع لباس ہے۔ اور جو کھانا آپ کھاتے تھے بعینہ وہی کھانا ہر مسلمان کو کھانا چاہیے۔ اصل میں اتباع کے قابل جو چیز ہے وہ تو تقویٰ اور پاکیزگی کے وہ حدود ہیں جو آپ اپنے کھانے پینے اور پہننے اور بٹھنے میں ملحوظ رکھتے تھے انہی حدود سے ہم کو معلوم ہو سکتا ہے کہ رہبانیت اور نفس پرستی کے درمیان جس معتدل روش کا ہم کو قرآن میں ایک مجمل سبق دیا گیا ہے اس پر ہم کس طرح عمل کریں کہ نہ تو طیبات سے ناروا اجتناب ہو اور نہ اسراف یہی حال حضور کی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کے دوسرے تمام معاملات کا بھی ہے، وہ پاکیزگی پوری کی پوری ایک سچے اور خدا ترس مسلمان کی زندگی کا معیار ہی نونہ تھی حضرت عائشہ نے سچ فرمایا کہ کَانَ خَلْقَهُ الْقُرْآنَ۔ اگر تم کو معلوم کرنا ہو کہ قرآن کی تعلیم اور اپرٹ کے مطابق ایک مومن انسان کو دنیا میں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے، تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو یاد کرو جو اسلام خدا کی کتاب میں مجمل ہے وہی رسول خدا کی ذات میں تم کو مفصل نظر آئے گا۔

احمد شکر کہ ہمارے دوست جو ہری غلام احمد صاحب ان لوگوں کے ہم خیال نہیں ہیں، مگر بعض احادیث سے ان کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ حضور برآن اور ہر حال میں رسول نہیں ہوتے تھے اور آپ کا ہر قول اور ہر فعل حیثیت رسول ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہ غلط فہمی جن روایات سے پیدا ہوئی ہے وہ دراصل ایک دوسری حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برآن اور ہر حال میں خدا کے رسول ہی تھے، اور یہ شان رسالت ہی تھی کہ آپ ہمیشہ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے تھے جس کے

آپ کو بھیجا گیا تھا۔ آپ کی بعثت کا مقصد یہ تو نہ تھا کہ لوگوں سے رائے اور عمل کی آزادی قطعاً سلب کر لیں اور ان کی عقل و فکر کو معطل کر دیں۔ نہ آپ دنیا کو زراعت اور صنعت و معرفت سکھانے آئے تھے۔ نہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا تھا کہ لوگوں کے کاروبار اور ان کے ذاتی معاملات میں ان کی ہنسی فرمائیں۔ آپ کی زندگی کا مقصد صرف ایک تھا اور وہ اسلام کو عقیدہ کی حیثیت سے دلوں میں بھانا اور عمل کی حیثیت سے افراد کی سیرت اور سوسائٹی کے نظام میں نافذ کر دینا تھا۔ اس مقصد کے سوا کوئی کسی چیز کی طرف حضور نے کبھی توجہ نہیں فرمائی، اور اگر شاذ و نادر کسی موقع پر کچھ فرمایا بھی تو صاف کہہ دیا کہ تم اپنی رائے اور عمل میں آزاد ہو، جس طرح چاہو کرو۔ انتم اعلیٰ علم و مہر دنیا حکم۔ اگرچہ صحابہ کرام آپ کے ہر ارشاد کو رسول کا ارشاد سمجھ کر بدل و جان اس کی اطاعت پر آمادہ تھے، اور آپ کو مطلقاً مطاع و متبوع سمجھتے تھے، اور اسی لیے جب کبھی حضور کسی دنیوی مسئلے میں کچھ ارشاد فرماتے تو صحابہ کو شبہ گذرنا تھا کہ شاید یہ حکم رسالت ہو لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ نے کسی ایسے مسئلے میں جو آپ کے مقصد بعثت سے متعلق نہ تھا صحابہ کو کوئی حکم دیا ہو اور انہیں اطاعت پر مجبور کیا ہو۔ ۲۳ سال کی طویل مدت میں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے مشن سے غافل نہ ہونا، اور ہر آن اس باریک فرق کو ملحوظ رکھنا کہ کونسا امر اس مشن سے تعلق رکھتا ہے اور کونسا نہیں رکھتا، اور اپنے متبعین پر کامل اقتدار رکھنے کے باوجود کبھی ان کو کسی غیر متعلق امر میں حکم نہ دینا، خود اس بات پر شامد ہے کہ شان رسالت کسی وقت بھی حضور سے منفک نہ ہوتی تھی۔ مگر یہ خیال کرنا صحیح نہ ہو گا کہ دنیوی معاملات میں جو کچھ حضور نے فرمایا وہ خدا کی وحی سے نہ تھا۔ اگرچہ آپ کے ایسے ارشادات آپ کے احکام نہیں ہیں، نہ آپ نے ان کو حکم کے انداز میں فرمایا، اور نہ کسی نے ان کو حکم سمجھا، مگر پھر بھی جو بات آپ کی زبان مبارک سے نکلی وہ سراسر حق تھی، اور غلطی کا اس میں شائبہ تک نہ تھا۔ مثال کے طور پر طب نبوی کے باب میں جو کچھ آپ سے ثابت ہے وہ ایسی ایسی حکیمانہ باتوں سے لبریز ہے جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ عرب کا انہی جو طبیب نہ تھا، جس نے کبھی فن

کی تحقیق نہ کی تھی، وہ کس طرح اس فن کی ایسی حقیقتوں تک پہنچا جو صدیوں کے تجربات کے بعد اب تکشف ہو رہی ہیں۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہم کو حضور کے حکیمانہ ارشادات میں ملتی ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں لہجہ آپ کے تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں، مگر اللہ اپنے رسولوں کی جبلت میں جو غیر معمولی قوتیں ودیعت فرماتا ہے وہ صرف تبلیغ رسالت ہی کے کام نہیں آتیں، بلکہ ہر معاملہ میں اپنی شان امتیاز دکھا کر رہتی ہیں۔ حدادی اور زرہ سازی کا تبلیغ رسالت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ مگر حضرت داؤد اس میں غیر معمولی کمال دکھاتے ہیں اور حق تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ یہ فن ہم نے ان کو سکھایا تھا۔ - وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُؤْسٍ لِّكُمۡ لِيُخۡصِنَکُمۡ مِّنۡ بَآسِکُمۡ (۲۱: ۱۶)۔ پرندوں کی بولیاں جاننے سے تبلیغ رسالت کو کیا واسطہ؟ مگر حضرت سلیمان اس میں کمال ظاہر فرماتے ہیں اور خود کہتے ہیں کہ عَلَّمْنَا مَنطِقَ الطَّيۡرِ (۲: ۲۷) تجارتی اور کشتی سازی تبلیغ رسالت کا کونسا شعبہ ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے یہ نہیں کہتا کہ ایک مضبوط سی کشتی بنا لو بلکہ فرماتا ہے وَاصۡنَعِ الْفُلۡکَ بِأَعۡیُنِنَا وَوَحِّیۡنَا (۱۱) پس انبیاء کے حق میں یہ گمان کرنا صحیح نہیں کہ ان پر صرف وہی امور وحی کئے گئے جو براہ راست تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقیقت ان کی ساری زندگی حق تعالیٰ کی ہدایت کے تابع ہے۔ البتہ اگر فرق ہے تو یہ کہ ان کی زندگی کا ایک شعبہ ایسا ہے جس میں ان کے قدم بقدم چلنا مسلمان ہونے کے لیے ناگزیر شرط ہے، اور ایک شعبہ ایسا ہے جس میں ان کا اتباع ہر مسلمان پر فرض نہیں، مگر جو شخص اللہ کا محبوب و مقبول بندہ بننا چاہتا ہو اور بارگاہ حق میں تقرب کا طلبگار ہو، اس کے لیے بغیر اس کے چارہ نہیں کہ ٹھیک ٹھیک نبی کی سنت پر چلے، حتیٰ کہ اگر ایک سر مو بھی اس خط مستقیم سے ہٹے گا تو تقرب اور محبوبیت میں اسی انحراف کی حد تک کسر رہ جائے گی۔ اس لیے کہ محبوبیت کے لیے بجز اتباع نبی کے اور کوئی راستہ ہی نہیں۔ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

۵۔ اس بحث کے بعد یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کی امارت اور دوسرے امیروں

کی امارت میں کیا فرق ہے، اور نبی کے فیصلے اور دوسرے قاضیوں کے فیصلے میں کتنا عظیم الشان  
تفاوت ہے، تاہم میں نے تین آیتیں ایسی نقل کی ہیں جن سے یہ فرق قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ ان آیات  
سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے حکم پر سر جھکا دینا اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرنا ایمان کے لیے ضروری  
ہے جو اس سے انکار کرے وہ مؤمن ہی نہیں۔ کیا یہ بات کسی دوسرے امیر یا قاضی کو حاصل ہے؟ اگر نہیں تو  
یہ کہنا کس قدر غلط ہے کہ "اللہ اور رسول کے الفاظ قرآن میں جہاں جہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں ان  
سے مراد امارت بنتے بنتے مجھے مولانا جبر جھپڑی کے اسی قول پر اعتراض ہے اور میں اس کو قرآن مجید کی تعلیم کے قطعاً خلاف  
سمجھتا ہوں۔ رہا وہ مسئلہ چودہویں صاحب نے پیش فرمایا ہے تو وہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے اور اس میں مجھے ان کے نقل  
انفاق ہے میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اولی الامر کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے، اور اولی  
اسلامی حکومت کے وہ تمام فرائض انجام دیں گے جو رسول اکرم اپنی حیات طیبہ میں انجام دیتے تھے، اور معاملات  
میں اولی الامر کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوگا، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنی دانست میں ان کے فیصلہ کو حکم خدا اور رسول کے  
خلاف بھی سمجھتا ہو تب بھی ایک حد خاص تک اس کے لیے لازم ہوگا کہ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے ان کے فیصلہ  
تسلیم کرے لیکن اس کے یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتے کہ امارت بعینہ وہی چیز ہے جس کو قرآن میں اللہ اور رسول کہا گیا ہے،  
امارت کے احکام ہو ہو وہی ہیں جو اللہ اور رسول کے احکام ہیں اگر ایسا ہو تو امر کے مجھ جانے اور بابل و عہد  
کتاب و سنت سے منحرف ہو جانے کی صورت بن مسلمانوں کے لیے کوئی چارہ ان کی اطاعت کرنے اور  
ہلاکت کے راستوں میں ان کی پیروی کرنے سے سوا باقی ہی نہ رہے گا۔ ایسی صورت میں اگر کوئی بندہ خدا اٹھے  
اور امر اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کرے تو مولانا اسلم کے فتوے کی رو سے تو امر اس کو  
باغی قرار دیکر قتل کر دینے میں ہل حق بجانب قرار پائیں گے اور ان کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ اللہ اور رسول تو  
ہم ہی ہیں، دوسرا کون ہے جس کی طرف تو ہم کو پھیرنا چاہتا ہے۔